© rasailojaraid.com



محمد سرور

# تاویل الاحادیث

از حضرت شاہ ولی اللہ

حضرت شاہ ولی اللہ نے قرآن مجید میں انبیا کے جو قصص مذکور ہیں، اُن کے اسرار و رموز اپنے ایک رسالے میں بیان فرمائے ہیں۔ جس کا نام انھوں نے "تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیا" رکھا ہے۔ یہ رسالہ عربی میں ہے۔ تمہید و مقدمہ کے بعد ان انبیا کے حالات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ آدم و ادریس۔ نوح و شیعتہ۔ ہود و صالح۔ ابراہیم و آلہ۔ یوسف۔ ایوب شعیب موسیٰ و ہارون۔ شموئیل و داؤد۔ سلیمان و یونس۔ زکریا و مریم و یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام۔ اور آخر کا باب یہ ہے: تاویل الاحادیث نبینا محمد صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین۔

"تاویل الاحادیث" سے حضرت شاہ صاحب کی کیا مراد ہے؟ اپنی ایک مختصر سی کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" میں جو اصول تفسیر میں اپنی نوعیت کی ایک بے نظیر کتاب ہے، وہ لکھتے ہیں:

"از علوم وہبیہ در علم تفسیر کہ بآں اشارت کردیم تاویل قصصِ انبیاء است علیہم السلام۔ و فقیر برائے ایں فن رسالہ تالیف کردہ است مسماۃ بتاویل الاحادیث۔ مراد از تاویل آنست کہ ہر قصہ کہ واقع شد آنرا مبدا می باشد از استعداد پیغامبر و قوم او و از تدبیرے کہ خدائے تعالیٰ در آں وقت خواستہ است و گویا بہ ہمیں معنی اشارہ رفتہ است در آیت ما یعلمک من تاویل الاحادیث"

(علم تفسیر کے سلسلے میں وہ علوم جو مجھے وہبی طور پر دیے گئے ہیں اور جن کی طرف ہم اشارہ کر آئے ہیں۔ ان میں سے ایک قصصِ انبیاء علیہم السلام کی تاویل ہے۔ اس فن پر فقیر نے تاویل الاحادیث کے نام سے ایک رسالہ تالیف کیا ہے۔ تاویل سے مراد ہے کہ ہر قصہ (واحد قصص) جو وقوع پذیر ہوا اس کا اُس پیغمبر (جس کا یہ قصہ ہے) اور اس کی قوم کی استعداد کے ساتھ تعلق ہے۔ اسی طرح اس کا اس تدبیر سے بھی تعلق ہے، جس کا اس خاص وقت میں اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا: چنانچہ آیت: و یعلمک من تاویل الاحادیث میں اسی معنی و مفہوم کی طرف اللہ نے اشارہ کیا ہے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مذکورہ بالا آیت سورۂ یوسف کی ہے۔ عام طور پر مفسرین نے یہاں تاویل الاحادیث کے معنیٰ خوابوں کی تعبیر کرنے کے کیے ہیں۔ لیکن شاہ ولی اللہ نے اس سے کچھ اور مراد لیا ہے۔ وہ مقدمہ کتاب کی ابتدا یوں کرتے ہیں: "تمھیں یہ معلوم ہو کہ جب اللہ تعالیٰ ایک بندے پر اس بندے کی زبان میں صرافت اُولیٰ (ذاتِ الٰہی کا وہ مرتبہ جہاں اس کے ساتھ کسی قسم کی کوئی اور نسبت نہیں ہوتی) سے علم نازل کرتا ہے، تو یہ نزولِ علم بذریعہ تدلّی ہوتا ہے (تدلّی سے مراد اللہ تعالیٰ کی تجلی ہے۔ یہ تجلّی خود ذاتِ متجلّی کی قائم مقام بن جاتی ہے) اور جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے اس کا پیرایہ مجاز و کنایہ کا نہیں۔ بلکہ یہ پیرایہ تجوّزِ طبیعی کا ہوتا ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے تجوّزِ طبیعی کی تشریح کی ہے۔ پھر وہ فرماتے ہیں کہ انسان کے جبلّی علوم میں سے یہ ہے: "اِنَّ لِکُلِّ حَادِثٍ سببًا ..." (ہر واقع ہونے والی چیز کا سبب ہوتا ہے) اسی سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے: "تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنی

---

۵؎ لفظ "تاویل" اور "تاویل الاحادیث" کی مولانا ابوالکلام آزاد نے "ترجمان القرآن" میں جو تشریح کی ہے۔ یہاں مختصراً اس کا خلاصہ دیا جاتا ہے:

سورۂ یونس میں "وَلَمَّا یَاْتِہِمْ تَاْوِیْلُہٗ" کی تشریح کرتے ہوئے مولانا مرحوم نے لکھا ہے: عربی میں تاویل کے معنی کسی بات کے نتیجے اور مآل کے ہیں اور چونکہ الفاظ کے معانی ہی اُن کی دلالت کا مآل و مصداق ہوتے ہیں اس لیے مطالب و معانی پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا۔ لیکن قرآن نے یہ لفظ ہر جگہ لغوی معنی میں استعمال کیا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ بعد میں یہ لفظ بطور ایک اصطلاح کے استعمال ہونے لگا۔

سورۂ یوسف میں "تاویل الاحادیث" آیا ہے۔ اس ضمن میں مولانا کی وضاحت یہ ہے: "حضرت یوسف کے حالات میں جابجا تاویل الاحادیث کا لفظ آیا ہے اور اس طرح آیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک علم تھا جو اللہ نے انھیں سکھا دیا تھا۔ پس معلوم ہونا چاہیے کہ اس علم سے مقصود کون سا علم ہے؟

اس کی مزید تشریح یوں کی گئی ہے: پس تاویل الاحادیث کا مطلب یہ ہوا کہ باتوں کا مطلب نتیجہ اور مآل بوجھ لینے کا علم یعنی انسان میں علم و بصیرت کی ایسی قوت کا پیدا ہو جانا کہ ہر بات کے مطلب اور مآل کا شناسا ہو جائے۔ معاملات کی تہ تک پہنچ جانا۔ امور و مہمات کے بھیدوں کا رمز شناس ہو جانا، ہر بات کی نبض پہچان لینی، ہر واقعہ کا مطلب پا لینا، کوئی بات کتنی ہی اُلجھی ہوئی کیوں نہ ہو لیکن اس طرح سلجھا لینا کہ ساری باتوں کی کل ٹھیک بیٹھ جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تدبیر سے کسی خارقِ عادت واقعہ کا ظہور کرتا ہے تو اس کا ظہور کسی نہ کسی عادت ہی کے ضمن میں کرتا ہے خواہ یہ عادت بہت کمزور ہی ہو۔۔۔" یہ بیان کرنے کے بعد شاہ صاحب مقدمۂ کتاب کو ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں:

"ہم انشاء اللہ ہر حادثہ کی تعبیر اس کی شکل و شبیہ کی خصوصیت کے سبب اور ہر خارق عادت واقعہ کے کمزور اسباب کی طرف اشارہ کریں گے۔ پس تم ہمارے اشارات کا انتظار کرو اور ہم جو قصہ بیان کریں گے اس کے ضمن میں اُن پر نگاہ رکھو۔"

غرض یہ موضوع ہے شاہ صاحب کی کتاب "تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء" کا۔ اس بارے میں مولانا عبید اللہ سندھی کی رائے ملاحظہ ہو۔ انبیاء کے قصص میں تدبیرِ الٰہی کس طرح کارفرما ہوئی۔ قصص الانبیا کی تاویل الاحادیث یہ ہے کہ ایسی ہی تدبیرِ الٰہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی کارفرما ہوگی۔ اسی کو شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب تاویل الاحادیث میں بیان کیا ہے[۲]۔

مثال کے طور پر شاہ صاحب خلقِ آدم کی تاویل یوں کرتے ہیں: اللہ نے زمین میں خلیفہ مقرر کرنے کا ارادہ فرمایا۔ پس اس نے آدم کو پیدا کیا۔ آدم کو اس وقت حقیقتِ مثالیہ احاطہ کیے ہوئے تھی اور اسی کو جنت سے تعبیر کیا گیا۔ لیکن چونکہ آدم کو زمین میں خلیفہ بننا تھا، اس لیے تدبیرِ الٰہی کی طرف سے اس کے لیے تقریب بہم کی گئی۔ شیطان کا واقعہ پیش آیا اور اسے جنت سے نکالا گیا۔ شاہ صاحب کے الفاظ ہیں: "فکان صورۃ التقریب بحسب خروجہ من عالم المثال الی الناسوت متدریجاً۔" (یہ آدم کو عالم مثال سے نکل کر اس مادّی عالم میں تدریجی طور پر آنے کے لیے تقریب کی صورت تھی)

اسی ضمن میں ایک مثال رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دی گئی ہے۔ آپؐ اپنی ابتدائے فطرت سے عالمِ ملکوت کے ساتھ متصل اور ملاءِ اعلیٰ سے مشابہ تھے اور ہر قسم کی کدورت سے پاک تھے۔ آپؐ کی فطرت برابر کامل تر ہوتی گئی۔ پس کبھی اس کا ظہور شق الصدر کی صورت میں ہوا اور کبھی اس صورت میں کہ جبرئیل زمین و آسمان کے درمیان بیٹھا آپؐ سے باتیں کر رہا ہے۔ کبھی اس طرح کہ آپؐ کو سب لوگوں کے ساتھ تولا گیا اور آپؐ سب سے بھاری نکلے اور کبھی اس کمال کا ظہور معراج کی

---

۲؎ مولانا سندھی کی عربی تفسیر کا مخطوطہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



صورت میں ہوا۔

حضرت ابراہیمؑ کے قصّے کی تاویل کے سلسلے میں لکھتے ہیں: اسی طرح ابراہیم علیہ السلام فطرت کی جانب سے بڑے قوی النفس تھے۔ جب اُن کی فطرت کمال کو پہنچی تو اُن کی خلقت کا ظہور ایک حادثے کی صورت میں ہوا۔ اور وہ حادثہ یہ ہے کہ آپ نے ستاروں، چاند اور سُورج کو دیکھا اور ان کے غروب ہونے سے یہ استدلال کیا کہ ان کا پیدا کرنے والا کوئی اور ہے۔

قرآن مجید کی سورۃ الاعراف میں اللہ کا آدم کی اولاد سے عہد لینے کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:
اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى (کہا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا، بے شک آپ ہمارے رب ہیں) اس کی تاویل کتاب "تاویل الاحادیث" میں یوں کی گئی ہے: ایک دن آدم علیہ السلام کو یہ علم ہوا کہ وہ سب افراد انسانی کے لیے کیا اچھے اور کیا بُرے، اُن کی مختلف استعدادوں کے مطابق باپ ہوں گے۔ چنانچہ ان سب افراد کی صورتیں عالمِ مثال میں ظہور پذیر ہوئیں اور ان سے یہ سوال کیا گیا۔ تو انھوں نے زبانِ فطرت سے جواب دیا۔

ادریس علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ پہلے تو وہ آدم علیہ السلام کی طرح صرف وہبی اور جبلّی علوم سے بہرہ رکھتے تھے۔ پھر وہ طبیعی، الٰہیاتی، افلاکی و نجومی، طبّی اور معاشرتی علوم میں آئے۔ اُن سے بہت سے علوم ظاہر ہوئے اور اُن میں بڑی برکت ہوئی۔ اس طرح ملّتِ مجوس اور ملّتِ حنیفی وجود میں آئی اور علوم طب و دعوت و نجوم کی تدوین ہوئی۔ یہ علوم سارے کے سارے امر، وقت حق تھے لیکن اب اس حق میں باطل بھی مل گیا ہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک مجوسی موجودات میں رب کی تجلّی مانتے ہیں۔ اس سے اُن کے ہاں مظاہر پرستی اور اصنام پرستی آگئی۔ لیکن حنیفیوں کے ہاں انسان کا دل ہی رب کی تجلّی گاہ ہوتا ہے۔ حضرت نوح کے ذکر میں طوفانِ نوح پر بحث کی گئی ہے۔ شاہ صاحبؒ اس کی توجیہ یوں فرماتے ہیں۔ قومِ نوح کے اعمالِ بد کی وجہ سے اسے سزا ملنا یقینی ہوگیا تھا۔ اب تدبیرِ الٰہی کسی عظیم فضائی واقعہ کی منتظر تھی کہ اس کے ذریعہ قومِ نوح کو عذاب دے۔ چنانچہ سماوی و ارضی اسباب ایک عام طوفانِ آب لانے پر متحد ہوگئے اور اس طرح اللہ کی قضا بروئے کار آئی۔ اس کے بعد شاہ صاحب اس ضمن میں ایک عمومی اصول بیان کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی عظیم واقعہ ہو اور اس کے پیچھے ارضی طبائع فلکی احکام[۱] الہیاتی تصورات۔ اور لوگوں میں مروجہ طریقوں کے تقاضے نہ ہوں۔ کم علم والا تو ان میں سے صرف ایک کو دیکھتا ہے اور باقی کو نظر انداز کر کے اُن کا انکار کر دیتا ہے اور جامع معرفت رکھنے والا ان سب کو جمع کر لیتا ہے۔

حضرت ہودؑ کی قوم عاد تھی اور حضرت صالح کی ثمود۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ چونکہ قوم عاد صحرا نشین تھی، اس لیے اُسے طوفانِ باد سے عذاب دینا قریب ترین تھا۔ چنانچہ ایک لمبے عرصے تک اُن کے ہاں بارش نہ ہوئی اور اُن کے مویشی مر گئے اور جب بادل آئے تو وہ جھکڑ نکلا۔ ثمود پہاڑوں اور غاروں میں رہتے تھے۔ طبعاً اُن پر زلزلے کی شکل میں عذاب آیا۔

حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں نجوم پرستی کی وجہ سے شرک عام ہو گیا تھا۔ اس لیے ضرورت تھی کہ فطرت کی طرف رجوع کیا جاتا۔ چونکہ حضرت ابراہیمؑ میں فطری ملکہ بڑا زبردست تھا، چنانچہ وہ دعوتِ توحید کے امام بنے۔ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالنے کے واقعہ کی شاہ صاحب نے یوں "تاویل" کی ہے: حضرت ابراہیمؑ آگ میں ڈالے گئے۔ وہ اللہ کے پسندیدہ بندے تھے اور اللہ اپنے بندوں کے لیے انھیں باقی رکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اُس نے سرد طبقۂ زمہریر سے آنے والی ہوا کے ضمن میں اُس آگ پر یک بارگی ٹھنڈک کا فیضان کیا۔ اور اس طرح آگ خوشگوار ہوا میں تبدیل ہو گئی۔

حضرت ابراہیمؑ کے عزیزوں ہی میں سے حضرت لوطؑ تھے، اُن کی قوم پر بھی عذاب نازل کیا گیا۔ اس سلسلے میں شاہ صاحب لکھتے ہیں: پھر (قوم لوط پر) عذاب اترا۔ یہ ایک شدید زمینی زلزلہ تھا۔ اور بارش، ہواؤں اور سردی نے جمع ہو کر سنگریزوں کی شکل اختیار کر لی۔

اس کے بعد وہ قاعدہ کلیہ بتاتے ہیں: تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ سارے عذاب جو فضائی کائنات کی طرف سے آتے ہیں معرضِ وجود میں نہیں آ سکتے جب تک ستاروں کا وحشت پرور اتصال نہ ہو۔ آسمان سے بارش برسنا بند نہ ہو۔ آسمان میں طویل مدت تک بہت سے مواد جمع نہ ہو جائیں۔ اور اسی طرح زمین میں بہت سے مواد رُک نہ جائیں۔ پھر اس کے ساتھ ملاء اعلیٰ کا غضب اور اس کی

---

[۱] اس زمانے میں یہ مانا جاتا تھا کہ کواکب و نجوم اس دنیا کے معاملات میں اثر انداز ہوتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



لعنت شامل نہ ہو جائے۔

غرض ہر واقعہ خواہ وہ کتنا ہی خارق عادت کیوں نہ ہو، اس کے لیے کچھ طبعی اسباب کا ہونا لازمی ہے لیکن بے شک اس کے ساتھ ملاء اعلیٰ کی مرضی بھی ایک ضروری شرط ہے، شاہ صاحب نے "تاویل الاحادیث" میں بار بار اس پر زور دیا ہے۔

حضرت یوسفؑ میں فطری پاکیزگی تھی اور یہ مقدر ہو چکا تھا کہ وہ مصر جائیں گے۔ چنانچہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف تقریبات بہم پہنچائیں اور وہ آخر کار مصر پہنچ گئے: امرأۃ العزیز (عزیز مصر کی بیوی) نے حضرت یوسف کو جو پھسلایا تھا، اس واقعہ کی شاہ صاحب یوں تاویل کرتے ہیں:

"وہ عورت اُن پر عاشق ہو گئی اور انھیں اُس نے پھسلایا۔ وہ جوان قوی المزاج تھے۔ عورت نے اُن کا ارادہ کیا اور انھوں نے اس کا۔ (عین اس وقت) اللہ نے اپنی عظیم دلیل ظاہر کی۔ اُن کے دل میں اُن کی عصمت کا داعیہ حرکت میں آیا اور اس نے اُن کی طبیعت کے داعیہ کو اگرچہ وہ قوی تھا مغلوب کر دیا۔ اُس وقت اُن کے لوح خیال پر اُن کے والد کی شکل متمثل ہو گئی اور وہ اپنے والد کو اللہ کی نشانیوں میں سے مانتے تھے۔ جو زمین میں داعیٔ حق تھے اور ایسے افعال سے روکنے والے تھے۔"

حضرت موسیٰؑ کا مدین سے واپسی پہ وادیٔ طویٰ سے گزرنا اور وہاں کوہ طور پر اُن سے اللہ تعالیٰ کا مخاطب ہونا، اس واقعہ کا ذکر شاہ صاحب نے اس طرح کیا ہے: حضرت موسیٰ کو ہدایت دی گئی کہ وہ اس عصا کو جُن لیں جو انبیا کے ہاں وراثتاً چلا آتا ہے اور اس میں برکت ہے۔ پھر وہ مصر کی طرف چل پڑے۔ وہ ظاہر میں تو اپنی قوم کی محبت کے تحت مصر جا رہے تھے لیکن حقیقت میں اللہ اُن کو مرتبۂ رسالت سے سرفراز کرنا چاہتا تھا۔ جب وہ وادیٔ طویٰ میں پہنچے اور وہ بابرکت وادی ہے۔ اس میں ملائکہ کی روحانیات کا اجتماع ہوا، اس سلسلے میں یہ تقریب کی گئی کہ انھیں (تاپنے کے لیے) آگ کی اور راستہ معلوم کرنے کی ضرورت ہوئی۔ جب وہ اس وادی کی ایک جھاڑی کے پاس پہنچے تو اللہ کی اُن کی طرف تدلّی ہوئی۔ ہوا یوں کہ ملاء اعلیٰ میں موسیٰ علیہ السلام سے مشافہتاً بات کرنے کا داعیہ پیدا ہوا تو اس بقعۂ مبارکہ میں آگ صورت پذیر ہوئی۔ آگ کی یہ صورت عالم مثال سے تھی نہ کہ عناصر اور طبائع سے۔ پس اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے ملاء اعلیٰ کی زبان میں اُس آگ کی صورت کے ذریعے مشافہتاً بات کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



حضرت موسیٰ کے ضربِ عصا سے پانی کے چشموں کے پھوٹنے کی شاہ صاحب کے نزدیک تاویل یہ ہے:۔ موسیٰ علیہ السلام کے دل میں الہام ہوتا تھا، پس وہ ایک پتھر کو مارتے تھے جو سب پتھروں سے زیادہ اس کی استعداد رکھتا تھا کہ اس سے پانی پھوٹے، چنانچہ وہ پتھر پھٹ جاتا اور اس سے پانی نکلتا۔

حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل میں جو نبی پیدا ہوتے، اُن میں سے بعض شاہ صاحب کے نزدیک بادشاہ تھے۔ بعض حِبر (عالم) اور بعض بڑی ریاضت کرنے والے راہب جیسے الیاس علیہ السلام۔ اس کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں: یہ سب مصلحت کے تقاضوں کے تحت ہوا۔ نیز اس کے تحت کہ ہر زمانے میں جو امر سب سے قریب ترین اور سہل ترین ہوتا ہے، وہی ہوا کرتا ہے۔ اور یہ کہ انبیا علیہم السلام "بنو علات" ہیں۔ اُن کا باپ ایک ہے، اور وہ ہے وہ تربیتِ الٰہی جو نبوّت سے مناسبت رکھتی ہے اور ان کی مائیں جُدا جُدا ہیں۔ ان سے مراد وہبی اور اکتسابی استعدادیں ہیں

حضرت عیسیٰ کا بغیر باپ کے حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہونا، شاہ صاحب اسے تسلیم کرتے ہیں اور اس کی تاویل یوں کرتے ہیں:۔ حضرت مریم میں فطری طور پر وہ صلاحیت تھی، جو مردمیں ہوتی ہے۔ جبریل کے دیکھنے سے ان کو حمل ٹھہر گیا۔ اس بچے میں جو حضرت مریم کے پیٹ میں تھا، اُن کے اللہ پر بھروسہ کرنے، اس کی پناہ ڈھونڈنے اور فرشتوں کی ہیئت کی مسرت و ابتہاج کی یہ سب کیفیتیں جمع ہوگئیں اور حضرت مریم کی یہ حالت اُن کے نفس کی تمام قوتوں، یہاں تک کہ قوتِ مصوّرہ اور قوتِ مولّدہ تک میں سرایت کر گئی۔ اس کی صورت ایسی ہے جیسا کہ طبیب اس شخص کو جو چاہتا ہے کہ اس کے ہاں لڑکا ہو، حالتِ جماع میں لڑکے کا تصوّر کرنے کا کہتے ہیں۔ یہ جو آیا ہے، "فایدناہ بروح القدس" تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جبرئیل کے پھونکنے سے حضرت مریم کی قوتِ مصوّرہ کو مدد ملی اور حضرت عیسیٰ کی جبلت میں جبرئیل سے مشابہ راسخ ہوگیا۔

کتاب کا آخری باب نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تاویل احادیث ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے:۔ آپؐ کے جو علوم ہیں، اُن کے اصولوں کی تاویل کا مرجع یہ امور ہیں: ملاءِ اعلیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اور آپؐ کے درمیان جبلّی مناسبت ہے۔ اور یہ اس بنا پر کہ آپؐ کا نفسِ ناطقہ بلند و عالی ہے۔ آپؐ کا مزاجِ نسمی تکمیل شدہ اور معتدل ہے اور اس میں بے کار اخلاق کی گنجائش نہیں۔ نیز آپؐ کے نفسِ ناطقہ اور مزاجِ نسمی میں پوری ہم آہنگی ہے۔ اس سبب سے یہ لازم ہو گیا کہ آپؐ کے دل میں ملاءِ اعلیٰ کی طرف سے مسلسل تائید بروئے کار آئے۔ یہ تائید کبھی تو اس صورت میں ہوتی کہ ملاءِ اعلیٰ آپؐ کو نظر آتے۔ کبھی اس صورت میں کہ وہ آپؐ کو مخاطب کرتے اور آپؐ کے دل میں الہام کرتے، اور کبھی اس صورت میں کہ آپؐ ان کو خواب میں دیکھتے۔

یہ جو چیزوں میں برکت ہوتی ہے شاہ صاحب اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں: "برکت کی حقیقت یہ ہے کہ ملاءِ اعلیٰ کی صلوٰۃ و دعوات اور ان کی رضا و خوشنودی میں سے کوئی وسیع سبب بندے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور بندے کے نفس کے ساتھ امتزاج پیدا کرتا ہے۔ اس سے طبیعی اسباب میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ ایسی ہی کیفیت بعض نفسیاتی حالتوں میں ہوتی ہے جیسے کہ بعض دفعہ آدمی کو بھوک محسوس نہیں ہوتی۔۔۔۔ یہ حالت خود نفس اور بدن کی استعداد سے تعلق رکھتی ہے۔ چنانچہ جب برکت کا نزول ہوتا ہے تو یہ استعداد اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ عقل کے تقاضوں سے کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے۔"

اس ضمن میں شاہ صاحب ان معجزات کی تاویل کرتے ہیں جو اُن کے نزدیک بطور تواتر کے مروی ہیں۔ فرماتے ہیں: آپؐ طعام اور شراب (پینے کی چیز) کے حق میں دعا کرتے اور اُن میں برکت ہو جاتی۔ یہ یا تو یوں ہوتا کہ ان چیزوں کی صرف نفع رسانی میں اضافہ ہو جاتا، یا خود اُن چیزوں میں زیادتی ہو جاتی، اور وہ اس طرح کہ ملاءِ اعلیٰ کی ہمتوں کے انوار ان چیزوں میں اثر انداز ہوتے۔ عادی امور میں اس کی نظیریں ملتی ہیں۔

معجزہ شق القمر کے بارے میں علم الاثر و حکمت طبیعیہ کی معرفت رکھنے والے کی زبان سے جو ظاہر ہے، وہ خود ہی ہیں۔ شاہ صاحب نے اس تاویل میں جمہور سے مختلف تشریح پیش کی ہے:

آخر میں ہم مولانا عبید اللہ سندھی نے شاہ ولی اللہ صاحب کی اس کتاب "تاویل الاحادیث" کے بارے میں جو رائے دی ہے، اُسے یہاں نقل کرتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں:-

---

نسمہ نفس حیوانی کی وہ استعداد جس سے زندگی قائم رہتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جب ہم "فلسفۂ شاہ ولی اللہ" کا نام لیتے ہیں تو اس سے ہماری مراد وہ حکمت ہے، جو شاہ صاحب کے نزدیک قرآنی تقاضہ کا لبِ لباب ہے۔ دنیا کی ارتقائی تاریخ کے ساتھ ساتھ اس حکمت نے کیسے کیسے ترقی کے مراحل طے کیے۔ شاہ صاحب نے اپنی کتاب "تاویل الاحادیث" میں اس پر بحث کی ہے، حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں زندگی کے کیا کیا ضابطے اور شرائع تھے، ان سے کس طرح اس عہد کی حاجتیں پوری ہوتی تھیں۔ پھر اس کے بعد جیسے جیسے انسانیت ترقی کرتی گئی اور اس کے ساتھ ساتھ افکار و خیالات میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہتیں۔ فلسفہ ولی اللہی ان مسائل پر بحث کرتا اور ان سب کے حل پیش کرتا ہے۔ . . . . شاہ صاحب کے نزدیک ادریس علیہ السلام طبیعیات، ریاضیات اور الہیات کے بانی تھے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام آتے ہیں اور یہاں سے حنیفی دور شروع ہوتا ہے۔ "تاویل الاحادیث" میں شاہ صاحب نے ابراہیم علیہ السلام سے لے کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیا کرام کی زندگی کو اسی حکمت کی نظر سے دیکھا ہے اور ان کی تعلیمات کو تدریجی ترقی کے اسی اصول پر حل کیا ہے۔

اس کے بعد مولانا سندھی لکھتے ہیں:

ہم نے متقدمین میں سے کسی حکیم کے ہاں اس اہم مسئلے کو اس طرح مدون نہیں پایا۔ ہمارے نزدیک یہ شاہ صاحبؒ کا سب سے بڑا علمی کمال ہے، اور اسی لیے ہم ان کو امام مانتے ہیں۔

اسی باب میں شاہ صاحب نے پھر خوارق کے بارے میں اپنے مسلک کو دہرایا ہے، اُن کی اس عبارت کا لفظی ترجمہ یہ ہے:- "قلیل الوقوع حوادث ایسے اسباب کی وجہ سے واقع ہوتے ہیں، جو بہت ہی کم تحقیق پذیر ہوتے ہیں۔ انھیں خوارق کا نام دیا گیا ہے۔ بسا اوقات ایک خارقِ عادت عادتے کی لوگوں کے ہاں جانی بوجھی بلکہ خارقِ عادت ہونے کی بنا پر اُس سے بھی زیادہ معروف و معلوم نظیر ہوتی ہے لیکن عوام اُدھر ملتفت نہیں ہوتے۔ لیکن جب اُن کے ہاں ایک خارقِ عادت واقعہ ہوتا ہے تو اُن پر اس کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ وہ اس پر بڑا تعجب کرتے ہیں اور اُن کی زبانیں اس کا چرچا کرتی ہیں۔ اور اُسے وہ تاریخ میں لکھتے ہیں مثلاً پانی کے ایک لمحہ میں سنگِ مرمر (رخام) میں تبدیل ہونے کی طرف وہ ملتفت نہیں ہوتے لیکن جب وہ (پانی) کوئی دوسرا جسم بن جائے، جس کی وہ توقع نہیں کرتے اور اُن کے ہاں اس کا ذکر نہیں ہوتا تو وہ اُسے بڑی چیز سمجھتے ہیں"۔

© rasailojaraid.com